© rasailojaraid.com

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

دریا سے اُٹھی لیکن، ساحل سے نہ ٹکرائی

قرآن پاک میں حضرت آدم وابلیس کا قصہ کئی جگہ ذکر میں آیا ہے۔ان میں سے ایک جگہ یہ یوں بیان ہوا ہے کہ ابلیس نے جب آدمؑ کو سجدے سے انکار کیا اور بارگاہ الٰہی میں مردود ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم سے فرمایا کہ ''اے آدم! یہ (ابلیس) تمہارا اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے۔پس کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (اپنی فریب کاری سے) تمہیں جنت سے نکلوائے اور تم مصیبت میں جاپڑو۔پھر آگے آتا ہے کہ اس کھلی تنبیہ اور آگاہی کے باوجود اور اس کے باوجود کہ اسکا حاسدانہ رویہ حضرت آدمؑ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، ابلیس نے جو ایک وسوسے کا جال پھینکا تو حضرت آدمؑ اس کے پھندے میں آ گئے۔ابلیس کا وہ داؤ کیا تھا اور حضرت ادم نے کیا ردّعمل دکھایا، قرآن پاک اسے ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: قال یآدم ھل ادلک علیٰ شجرۃ الخلد و ملک لا یبلیٰ فاکلامنھا............''ابلیس نے کہا کہ اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کے درخت اور ایسی بادشاہی کا پتہ دوں جو لازوال ہے؟ پس ان دونوں (آدم وحوا) نے اس درخت میں سے (پھل) کھالیا'' اور یہ وہی درخت تھا کہ جس کے بارے میں حضرت آدم کو آگاہی دی جا چکی تھی کہ بس اس کے پاس مت جانا۔

حضرت آدم کے ساتھ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس وقت وہ پہلے انسان تھے اور زندگی کے ساتھ موت لازم ہونے کے تجربے سے نا آشنا۔آج اگر کوئی کسی کو ابدی زندگی کا خواب دکھلائے تو سلامتی ہوش وحواس کے ساتھ کوئی بھی اس جال میں پھنسنے والا نہ ملے گا۔لیکن بادشاہی کے خواب میں گرفتار ہونے کو بہت سے مل سکتے ہیں۔اس لئے کہ یہ وہ پرکشش شئے ہے جس کی دستیابی ناممکن نہیں اور اس میں کشش کی جو اصل چیز ہے وہ آزادی وخودمختاری۔بلکہ حضرت آدم کیلیے تو لفظ ''ملک'' اور ''بادشاہی'' کا مفہوم اس سے زیادہ کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔جس طرح وہ موت سے نا آشنا تھے، اسی طرح بادشاہی انہوں نے اس وقت کہاں دیکھ لی تھی؟ البتہ آزادی وخودمختاری وہ شئے ہے جس کی لپک ہر انسان کیا ہر جاندار کی فطرت میں پائی جاتی ہے۔ہماری اردو کی ابتدائی تعلیم کے زمانے میں مولانا اسماعیل میرٹھی کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ان میں سے ایک سبق میں اسی فطرت کے بیان کا یہ شعر آج بھی یاد آجاتا ہے:

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
وہ ہے خوف وذلت کے حلوے سے بہتر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ یہ جنت جس کی بشارت اہل ایمان کو دی جاتی ہے یہ دراصل انسان کے اپنی اسی محبوب شئے ،آزادی و خودمختاری ، سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حق میں دستبرداری ہونے اور اس کے احکام کو اپنی خواہشات پر ترجیح دینے کا صلہ ہے۔ آزادی وخودمختاری کا جذبہ فطرت کی بڑی قیمتی متاع بلکہ آدمیت کا جوہر ہے۔ لیکن جیسا کہ حضرت آدم کے قصے میں دیکھا گیا یہی جذبہ آدمی کیلئے غارت گر بھی بن سکتا ہے۔ بالکل وہی بات جو ہمارے ایک بڑے شاعر نے دل کے بارے میں کہی ہے:

کامل رہبر ، قاتل رہزن
دل سا دوست نہ دل سا دشمن

یہ قصہ آدم وابلیس مسلم خواتین کے ایک مذاکرہ کی روداد پڑھ کر یاد آ گیا ہے۔ یہ مذاکرہ ''آج کے دور میں مسلم خواتین کا کردار'' کے موضوع پر روزنامہ ''جنگ'' کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا اور روزنامے نے اپنی ۱۳ فروری کی اشاعت میں اس کی مکمل روداد چھاپی۔ اس طرح کے مذاکرے آج کل ہوتے رہتے اور چھپتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ مذاکرہ اپنی دو باتوں کی وجہ سے لائق التفات بنا۔ (۱) مذاکرے کی مہمانِ خصوصی، جو نیو یارک میں ایک کالج کی شعبۂ سیاسیات کی سربراہ ہیں، ان کا رنج و ملال کہ وہ اپنے طبقے کی ہم وطن خواتین کو مغرب زدگی کی کس انتہا پر پہنچا ہوا پا رہی ہیں اور (۲) وہ انتہا جس کی دید نے امریکہ کے ایک کالج میں پڑھانے والی خاتون کو دہلا دیا۔ ان دونوں باتوں کیلئے ذیل کا اقتباس پڑھئے:

''اب میں پاکستانی معاشرے کی خواتین کے بارے میں کچھ بات کروں گی۔ میں نے پاکستان میں ۳۳ برس گزارے ہیں اور میں ایک عرصے کے بعد پاکستان آئی ہوں۔ کسی پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہاں کی خواتین اپنی اقدار کو بھول بیٹھی ہیں۔ جب میں یہاں سے گئی تھی تو مجھے یاد نہیں یہاں کی خواتین کھلے عام شراب پیتی تھیں۔ دو سال قبل مجھے پوسٹ ڈاکٹر فیلوشپ ملی تھی اور میں آسلام آباد آئی تھی، وہاں مجھے ایک پارٹی میں بلایا گیا، اور اس تقریب میں اسی فیصد خواتین شراب پی رہی تھیں وہ نہ شراب پی رہی تھیں بلکہ مجھ سے اصرار کر رہی تھیں کہ آپ بھی پیئیں کیونکہ آپ تو باہر رہتی ہیں۔ میں نے کہا کہ جب میں باہر رہ کر نہیں پیتی تو یہاں آ کر کیوں پیوں گی؟ ان کا کہنا تھا کہ بھئی آپ انگریزی بولتی ہیں، چھوٹے بال ہیں، مغرب میں رہتی ہیں تو پھر آپ ہماری جیسی کیوں نہیں ہیں''؟

ہماری خواتین میں انقلاب حال کا یہ المیہ ہے، جس کی ایک جھلک اس اقتباس میں نظر آئی، اسی جذبۂ آزادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وخودمختاری کی غارت گری ہے جس کا تار قلب آدم میں چھیڑ کر ابلیس نے ایک خود فراموشی کے عالم میں آپ کو پہنچا دیا تھا ۔فطرت انسانی میں یہ آزادی وخود مختاری کی لپک کا عنصر یوں تو ہمیشہ ہی انسان کو راہ سے بے راہ کر دینے کی طاقت کا مظاہرہ کرتا رہا ہے، لیکن دنیا پر مغرب کے غلبہ کے بعد سے اس کو جو طاقت میسر آئی ہے، تو سچ یہ ہے کہ انسان کو انسان رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ مغرب جب دنیا کی بادشاہی کے تخت پر بیٹھا تو کتنے ہی لوگوں کو اسی وقت سے الناس علی دین ملوکھم ، کی کہاوت کے مطابق اہل مغرب کی زندگی کے کچھ طور طریقے بھانے لگے۔ پھر آگے چل کر، جب وہ اپنی علمی برتری کا سکہ جمانے میں بھی اس حد تک کامیاب ہو گیا کہ صرف اس کے جاری کردہ نظام تعلیم سے نکل کر آنے والے ''تعلیم یافتہ'' کہلائے جانے لگے، تو اب مغربی زندگی کے طور طریقے بن گئے، جن کا اپنانا تہذیبی اور تمدنی ترقی کے ہم معنی ہوا۔ اس طرح مغربیت کے چلن کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوا۔ اور ہماری اپنی معاشرتی قدریں بے قدری کا شکار۔ مغرب کی پیروی اور اپنی قدروں کا تحفظ ، یہ دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے کہ مغرب میں سب سے بالاتر قدر ذاتی زندگی میں فرد کی مکمل آزادی وخود مختاری ہے۔ اور اس بے مہار آزادی کے ساتھ ''قدروں'' کا لفظ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

الغرض اس طرح ہماری مشرقی اور اسلامی قدروں سے ٹکرانے والے مغربی زندگی کے چلن ہمارے یہاں مردوں اور عورتوں سبھی میں راہ پا گئے۔ لیکن اگر عورتوں میں اس کا تناسب کم بھی رہا، جب بھی ہمارے لئے وہ نقصان دہ زیادہ ہوا۔ اس لئے کہ نسلوں کے بناؤ بگاڑ کا زیادہ تر انحصار ماؤں ہی پر ہوتا ہے۔ انہیں کے رنگ ڈھنگ سے اولاد کا بنیادی سانچہ بنتا ہے۔ اور اب تک جتنا نقصان اس سے ہو رہا تھا، وہ تو ہو رہا تھا۔ لیکن ادھر اب چند سال سے اس کے نقصان کا پیمانہ وہ ہو گیا ہے کہ اسلامی دنیا اس کا تحمل نہیں کر سکتی ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ مغرب اور خاص کر اس کا سربراہ امریکہ موجودہ بین الاقوامی صورت حال سے فائدہ اٹھا کر، جس میں اس سے سوال جواب تک کرنے والا کوئی نہیں رہا ہے، اقوام متحدہ کے عالمی ادارے کو جس طرح اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں لگ گیا ہے، اسی ضمن میں حقوق انسانی کے تحفظ کی وہ تحریک بھی اس ایجنڈے میں سرفہرست آ گئی ہے جو اپنی اصل میں بے شک انسانیت دوست ہے مگر امریکہ اور اس کے مغربی خاندان نے اسے اپنے مفادات اور مقاصد کا آلہ کار بنا لیا ہے۔ اس میں بھی خاص طور سے ان حقوق کی جو شق خواتین سے متعلق ہے، اور اس پر سب سے ہی زیادہ زور ہے، اور اس کی بنا پر ہمارے معاشرے کی یہ صورت حال کہ خواتین میں بھی ایک بڑی تعداد مغربیت پسند ہو گئی ہے، ہمارے ملکوں کی آزادی اور خود مختاری تک کو پامال کر سکتا ہے اور اس کا تازہ بہ تازہ اور بالکل سامنے کا ثبوت افغانستان کا المیہ ہے۔

افغانستان میں جو کچھ ہوا ہے اس کے تعلق سے یہ بات بھلائی نہیں جا سکتی ہے کہ اس المیے کی زمین ہموار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے میں افغانستان کی ان خواتین کا بڑا دخل ہے جن کے دل و دماغ میں آزادئ نسواں کے مغربی تصور نے گھر بنالیا تھا طالبان کی حکومت کو نشانے پہ رکھنے کے بعد سب سے پہلے جس ہتھیار کا استعمال اس کے خلاف شروع کیا گیا وہ عورتوں کے سلسلے میں ان کی پالیسی کے خلاف پروپیگنڈہ کا ہتھیار تھا۔ اس کے ذریعے ساری دنیا میں آزادی نسواں کی مغربی تحریک مقبولیت کے جس درجے پر پہنچی ہوئی تھی، اس کا ایک بہت مستند اندازہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ایک سفرنامۂ افغانستان کے چند اقتباسات سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ سفر مولانا نے ۱۹۷۳ء میں رابطہ عالم اسلامی کے ایک وفد کے سربراہ کی حیثیت سے کیا تھا۔ یہ ظاہر شاہ کا زمانہ تھا مگر بالکل آخری وقت (مولانا کا سفر تمام ہونے کے چند ہی ہفتے بعد ان کا دور بھی اختتام کو پہنچا) مولانا اس سفر میں اپنے رفقاء کے ساتھ افغانستان کے ایک اہم گرلس کالج دیکھنے کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''ہم نے 'ملالی گرلس کالج' بھی دیکھا جو تحریک آزادی کی قائد ایک افغانی خاتون۔ ملالی کی طرف منسوب ہے۔ استاذ احمد محمد جمال نے یہاں ایک موزوں اور مناسب تقریر کی، جس میں انہوں نے شریعت اسلامیہ میں مسلمان عورت کی حیثیت اور مسلم معاشرے میں اس کے حقوق اس کی اہمیت اور قدر و منزلت پر روشنی ڈالی۔ اس کالج میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہم یورپ کے کسی گرلس کالج یا مغربی ممالک کے کسی زنانہ ثقافتی مرکز میں پہنچ گئے ہیں۔ اس جلسے میں احتیاط اور ذہانت کے ساتھ مقرر سے متعدد سوالات بھی کئے گئے، استاذ احمد محمد جمال نے قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ ان کے جوابات دیئے۔ کالج کی پرنسپل نے مطالبہ کیا کہ تعدادِ ازدواج کی حرمت کا متفقہ فتویٰ صادر کیا جائے، کیوں کہ اس میں عورت کی سخت توہین ہوتی ہے۔ مقرر موصوف نے اس کے جواب میں وہ اسباب و مصالح بتائے جن کی وجہ سے اسلام نے یہ حق باقی رکھا ہے۔''

افغانی خواتین کے ساتھ ایک نشست کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ایک نشست ممتاز معزز اور دیندار گھرانوں سے تعلق رکھنے والی مسلم خواتین کی تھی مجلس میں شریک ہونے والی خواتین اللہ کا شکر ہے، اسلامی عقائد سے باغی یا جدید تہذیب و تمدن کے زعم میں دین سے یکسر بیگانہ و بیزار نہیں تھیں'' .... پھر بھی ہم یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے کہ ملک میں مغربی تہذیب بہت آگے جا چکی ہے اور اس کے ثمرات بھی ظاہر ہو رہے ہیں-- امیر امان اللہ خاں کے دور تک افغانی قوم اسلامی افغانی روایات پر بڑی مضبوطی سے قائم تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

......لیکن اس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے، افغانی قوم اپنے ماضی سے بہت دور جا پڑی ہے، اور یہ دوری ماہ وسال کی تعداد کے اعتبار سے تو بہت کم ہے لیکن فکری اور تمدنی اعتبار سے یہ مسافت بہت طویل ہے، اکثر تو میں کہیں کہیں صدیوں میں اتنی مسافت طے کرتی ہیں، پردہ اب پسماندگی، جہالت اور غربت کی علامت بن گیا ہے۔اسی وجہ سے دیہاتوں، گاؤں میں بعض دیندار علماء اور دار السلطنت سے دور کسانوں کے گھروں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، فرنگی لباس عام ہے۔ پھر بھی قدیم ماحول اور طبیعتوں میں رچی ہوئی اسلامی خصوصیات کے اثرات اب تک ان تعلیم یافتہ مسلم خواتین میں کسی نہ کسی درجے میں موجود ہیں، اس لئے ان کے سوالات اور گفتگو میں توہین واستہزا کا انداز نہیں تھا، بلکہ ہم لوگوں سے دوران گفتگو وہ خاصی محتاط رہیں، ان کی باتوں سے دین اور اہل دین کا احترام جھلکتا تھا......لیکن ان کے سوالات سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ غیروں کی تہذیب وتمدن کے اثرات کہاں تک پہنچ چکے ہیں، اور مستشرقین کی تحریریں اور اسلام کے اصول ومبادی اور اسلامی نظام حیات کے خلاف ان کا منظم اور منصوبہ بند پروپیگنڈہ اور یورپ کے پھیلائے ہوئے کامل مساوات مرد وزن کے نظریہ کے اثرات کتنی گہرائی تک اتر چکے ہیں ......دین کے نمائندہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان پیدا ہونیوالی خلیج بہت وسیع ہوگئی ہے، جس کو پُر کرنا آسان نہیں ہے۔''

مولانا بڑی نرم محتاط زبان کے عادی ہیں، ''ان سے ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو'' یہ ان کا مذاق ومزاج ہے لیکن اس مذاق احتیاط میں ڈوبی ہوئی یہ عبارتیں بھی کیا کچھ نہیں کہے دے رہی ہیں؟ یہ تقریباً ۳۰ برس پہلے کی داستان ہے جو بتا رہی ہے کہ افغانی خواتین یورپ کے نظریہ مساوات مرد وزن کو قبول کر لینے کی راہ پر آج سے اتنے دن پہلے ہی کہاں تک جا چکی تھیں۔

مولانا کا یہ سفر نامہ، جس کا عنوان ہے'' دریائے کابل سے دریائے یرموک تک'' مجھے اس کے پڑھ لینے کا موقع اس کے چھپنے کے ساتھ ہی، یعنی کم از کم ۲۵ برس پہلے مل گیا تھا۔ یہ دریائے کابل سے شروع ہو کر دریائے یرموک تک پڑنے والے پانچ مسلم ملکوں کا سفر نامہ ہے۔ مجھے اس پورے سفرنامے میں کوئی بات اگر آج یاد رہی تو وہ سفر نامے کا صرف یہی حصہ ہے جس کو اوپر نقل کیا گیا۔ اور یہ اس لئے یاد رہ گیا کہ اس کو پڑھتے ہوئے دل ودماغ کو جو جھٹکا لگا تھا وہ بھول جانے والا نہ تھا اور اسی گہری یاد کا نتیجہ تھا کہ ہمارے نیک دل طالبان نے جب اس سرزمین کا اقتدار سنبھالنے پر خواتین کو درونِ خانہ ہو جانے کا پابند کیا، تو ان کی ہمت مردانہ کو داد دینا پڑی مگر ساتھ ہی دل ڈرا کے دیکھئے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی تہذیب کو یہ چیلنج جس کو خود اپنی آبادی کا ایک بڑا اور ذی اثر حصہ خود اپنے تئیں چیلنج کے طور پر لے گا، کیا سامنے لاتا ہے، کیا یہ خواتین چین سے بیٹھ جائیں گی، جنھوں نے اب سے تیس برس پیشتر کے زمانے میں رابطہ عالم اسلامی کے ایسے موقر وفد سے جس کی سربراہی حضرت سید احمد شہیدؒ کے خانوادے کے مولانا سید ابوالحسن علیؒ جیسے ایک رکن فرما رہے ہوں مطالبہ کر دیا تھا کہ تعدادِ ازدواج کو حرام کیے جانے کا فتویٰ دلوائیے؟ خاص کر جبکہ یہ خواتین پورا یقین بھی رکھ سکتی ہوں کہ مغرب اپنے تمام وسائل کے ساتھ ان کی پشت پر آئے گا۔ افسوس ہے کہ یہ ڈر غلط ثابت نہ ہوا۔ اور صرف مغرب ہی نہیں ان کا وکیل بن کے آگے آیا، بلکہ ساری دنیا جس کو (بشمول مسلم ممالک) اقوام متحدہ کے رزولیوشنوں کے ذریعے، خواہی نخواہی، عورتوں کیلئے ان حقوق کی فہرست کا پابند کر دیا گیا ہے جن کو مغرب عورتوں کے لئے واجبی حقوق قرار دیتا ہے کچھ نہیں تو خاموشی ہی کے انداز میں مغرب کے ساتھ کھڑی پائی گئی۔ الغرض افغانستان پر ان دنوں جو کچھ بیتی اس میں بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے زمین کی ہمواری کا پہلا مرحلہ ان افغانی خواتین ہی کے ہاتھوں مکمل ہوا جن پر مغرب کا افسونِ آزادی کام کر گیا تھا۔ پس اب یہ ہماری خواتین کی مغربیت کا معاملہ ایک زاویئے سے بھی دیکھے جانے کا مستحق ہو گیا ہے، اور یہ پہلے سے کہیں زیادہ اہم۔

یہ خیالات خواتین مذاکرے کی روداد میں سامنے آنے والے اس الم انگیز انکشاف کا نتیجہ تھے کہ ہمارے ایک ملک کی خواتین کے صاحب حیثیت طبقے میں مغرب زدگی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ پارٹیوں میں شراب نوشی کرنے والیوں کا اوسط اسی فی صد تک ہونے لگا۔ لیکن اس انکشاف کا یہ پہلو کہ یہ اسی ملک کی ایک ایسی خاتون کی زبان سے بصد رنج ہو رہا تھا جو نہ صرف اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ مغرب کے سردار، امریکہ، میں قیام رکھتی ہیں اور ایک کالج میں اپنے شعبہ کی سربراہ ہیں، فوٹو میں ان کا سر کھلا اور بال مغربی وضع کے ہیں۔ پھر بھی انہیں اپنی ہم وطن اور ہم مذہب خواتین سے شراب نوشی کرتے دیکھ کر ایسا افسوس ہو کہ اسی طبقے کی خواتین کے درمیان موقع ملنے پر اپنے رنج و افسوس کا بھرپور اظہار کریں۔ یہ اس انکشاف کا ایسا خوشگوار پہلو ہے کہ جتنا انکشاف نے مکدر کیا تھا اتنا ہی اس کے اس پہلو نے مسرت بخشی۔ مزید مسرت بخش بات وہاں یہ بھی تھی جو اقتباس میں نہیں آئی ہے کہ محترم خاتون نے اسلام آباد کی جس پارٹی کے حوالے سے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے، اسی کے ذیل میں یہ بھی بتایا ہے کہ "محترم خاتون نے اسلام آباد کی جس پارٹی کے حوالے سے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے، اسی کے ذیل میں یہ بتایا ہے کہ "ان خواتین سے گفتگو کر کے جو بات میں نے محسوس کی، وہ یہ تھی کہ ان میں سے اکثر خواتین نے قرآن نہیں پڑھا تھا، لیجئے! نورٌ علیٰ نور۔ مغرب میں رہنے والی، کالج میں پڑھانے والی، وضع قطع سے فی الجملہ آزاد خیال اور سوچنے کا یہ انداز کہ دیکھوں، اپنی ان بہنوں کو قرآن کی بھی کچھ خبر ہے یا نہیں؟ محترمہ کا یہ بیان، ہی یہ بتانے کیلئے کافی تھا کہ ماشاءاللہ وہ قرآن پاک سے ایک مسلم خاتون کی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابستگی رکھتی ہیں۔لیکن اس روداد کے اندر یہ بات لفظوں میں بھی بایں طور موجود ہے کہ ''میں نے قرآن اچھی طرح پڑھا ہے'' اور اس لئے اپنی اس بہن کے حوالے سے اور زیادہ خوش ہونے کی بات۔مگر محترمہ نے اپنے قرآن اچھی طرح پڑھنے کی بات جس سیاق و سباق میں کہی ہے، اس نے بتایا کہ اتنی نیک دل خاتون کا بھی انداز فکر مغرب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا ہے۔سچ یہ کہ مغرب نے کم ہی لوگوں کو چھوڑا ہے کہ اس کے علوم یا اس کی سوسائٹی سے رابطے میں اچھی طرح آنے کے بعد بھی ''بے داغ'' رہ جائیں۔مغرب نے عورت اور مرد کی ہمہ جہت برابری کا جو صور پھونکا ہے، عورت تو عورت، مسلم دنیا کے ان مردوں میں بھی جو مغرب سے رابطے میں آ گئے، کم نہیں رہے کہ اس نعرے پر ایمان نہ لے آئے ہوں۔ہماری محترمہ بہن نے اپنے قرآن اچھی طرح پڑھنے کا جو ذکر کیا ہے، افسوس ہے کہ وہ اسی مساوات مرد و زن کی حمایت کے سیاق میں تھا۔ان کا کہنا تھا کہ قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ عورت مرد سے کم ہے۔قرآن میں ''قوامون'' کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد حکمراں ہیں''......آہ!

اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ،ساحل سے نہ ٹکرائی

خاتون بفضل خدا قرآن پڑھتی ہیں، سورۂ نساء کی وہ آیت بھی ان کے ذہن میں مستحضر ہے جو مرد و عورت (شوہر اور بیوی) کے رشتے میں اس مساوات کے تصور کی قطعی گنجائش نہیں چھوڑتی جو مغرب ہمیں سمجھتا ہے۔یہی وہ آیت ہے جس میں ''قوامون'' کا لفظ آیا ہے اور یہ اپنے سیاق و سباق میں کسی ایسے معنی کو قبول کرنے سے قطعی انکاری ہے جس میں مرد کی افضلیت کا تصور قائم نہ رہ سکتا ہو (اگر چہ یہ افضلیت ہرگز اس معنی میں نہیں کہ عورت محکوم ہے، تاہم افضلیت کی مطلق نفی اس آیت کے ساتھ ممکن نہیں) اس کے باوجود اگر ہماری ایسی پڑھی لکھی اور متوازن نظر آنے والی خواتین بھی وہی عام لوگوں کی سی بات کرنے لگیں جس سے مغربی تصور مساوات مرد و زن اور قرآن کے مؤقف میں کوئی فرق سمجھنے کی ضرورت نہ رہے، تو اسے بس اسی موج کا سا المیہ کہا جائے گا جو دریا کی سطح سے تو اٹھی اور چلی تھی، مگر ساحل سے جا ٹکرانا اسے نصیب نہ ہوا اور اس کی وجہ وہی آزادی و خود مختاری کا لپکا، جس کی بنا پر انسان ہر وقت اغوائے شیطانی کا شکار ہو جانے کے خطرے میں رہتا ہے۔اور اسی میں انسان کی آزمائش ہے کہ خدا کے حکم کو آگے رکھتا ہے۔اس فطری کمزوری کے بہاؤ میں بہتا ہے؟ یہ مساواتِ مرد و زن کا مغربی تصور، اللہ کی پناہ! پتہ نہیں اس کو قبول کر لینے والے ہمارے لوگ یہ بات کیسے بھول جاتے ہیں کہ اس تصور کی دراز دستیاں تو اس بارگاہِ قدس تک پہنچنے سے بھی نہیں شرماتیں جہاں کے تصور ہی سے حضرت جبرائیلؑ کے پَر جل اُٹھیں۔خواتین مغرب پوچھتی ہیں کہ اللہ (God) کیلئے مذکر ہی کی ضمیر کیوں استعمال کی جاتی ہے؟ یاد رہے کہ اردو کے برخلاف، عربی میں بھی اور انگریزی میں بھی مذکر اور مؤنث کیلئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضمیریں الگ الگ ہیں، ھُو اور ھِی He & She دونوں برابر ہیں، جو چاہو استعمال کرلو......لیکن ان خواتین کا یہ دعوائے مساوات اس وقت یاد آ کے ہنسی کی دعوت دینے لگتا ہے جب یہ مردوں کا جیسا لباس پہن کر، مردوں کے جیسے اسٹائل کے بھاری بھرکم بوٹ پہن کر، ان کی جیسی وضع کے بال کٹا کر، زبان حال سے کہتی نظر آتی ہیں کہ واقعہ میں وہ اپنے آپ کو مردوں کے مساوی نہیں پاتی ہیں۔ انہیں ان بناوٹوں کی ضرورت بالکل اسی طرح ہوتی ہے، جس طرح ایک کم رو کو غازہ و پوڈر کے تکلفات کی۔

اچھا خیر، وہ سورۂ نساء کی آیت جس میں مردوں کیلئے قوامون علی النساء کے الفاظ آئے ہیں، اس کی بات رہی جاتی ہے۔ سو یوں تو پوری آیت کے بغیر اس کا پہلا جملہ ہی بتا دیتا ہے کہ قوامون کے لفظ سے شوہر کو بیوی کے مقابلے میں ایک درجہ بالاتر عطا فرمائی جارہی ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کو سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں یہ کہہ کر کہ ''عورتوں کے بھی اسی طرح مردوں پر کچھ حقوق ہیں جیسے کچھ حقوق ان پر مردوں کے ہیں'' فرمایا گیا: ''والرجال علیھن درجة'' (پر مردوں کا ان کے مقابلے میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے) لیکن جس کسی پر یہ بات اس پہلے جملے سے واضح نہ ہوسکتی ہو۔ اس کیلئے آیت کے آخری الفاظ بہر حال کافی ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ وہ ان سے آنکھ بچانے کی کوشش نہ کرے۔ اور یہ الفاظ یہاں سے شروع ہوتے ہیں: **فالصالحات قنتات حافظات للغیب بما حفظ اللہ**......ان میں نیک اور صالح بیبیوں کی یہ صفت بیان کر کے کہ وہ فرمانبردار و وفادار ہوتی ہیں۔ آگے سرکشی کرنے والیوں کیلئے بدرجہ آخر کچھ ضرب و تادیب تک کی اجازت صریح الفاظ میں دی گئی ہے۔ مغربی خواتین ضرور اس اجازت پہ ناک بھوں چڑھائیں گی۔ لیکن ان کے یہاں موجودہ نظریہ ''مساوات کی تمام تر پختگی بلکہ حکمرانی کے باوجود جو یہ ناقابل انکار واقعہ ہے کہ یہ خواتین اپنے شوہروں کے ہاتھوں بہر حال پٹتی ہیں۔ (جس کی شہادت ان محترم خاتون کی زبان سے بھی، جن کے حوالے سے یہ گفتگو چل رہی ہے، مذکورہ بالا مذاکرہ میں بایں الفاظ پائی جاتی ہے: ''بیویوں کو پیٹا جاتا ہے، اگرچہ عورتوں کو پیٹنا اُن کے روزمرہ کے معمولات میں شامل نہیں ہے، لیکن جب پیٹتے ہیں تو بہت بری طرح پیٹتے ہیں'') پس قرآن پاک جو اس کی اجازت دیتا ہے، جبکہ پیغمبر ﷺ کا رویہ اس کی ہمت شکنی کا تھا، تو اس سے جہاں ایک طرف اس اجازت کا مطلب یہ سمجھنا ضروری ہوگا کہ یہ بدرجہ مجبوری کی بات ہے، وہیں یہ سمجھے بغیر بھی چارہ نہیں کہ یہ عورت و مرد کے رشتہ کا ایسا معاملہ ہے جس کیلئے گنجائش رکھنا ہی پڑے۔ اے اللہ! ہمیں حق دکھا اور اس کی پیروی کا حوصلہ دے۔

(مطبوعہ: الفرقان، لکھنؤ اپریل ۲۰۰۲ء)

© rasailojaraid.com